دور جدید کا عظیم جاپانی ناول

خاموشی

سوشاکو اینڈو ترجمہ: مسعود اشعر

خاموشی

سوشا کو اینڈو

مترجم- مسعود اشعر

مشعل

آر-بی 5' سیکنڈ فلور' عوامی کمپلیکس

عثمان بلاک' نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور 54600' پاکستان

MashalBooks.com

خاموشی کے بارے میں کچھ گفتگو

جاپانی ادب سے ہمارا تعارف ایک فلم کے ذریعے ہوا تھا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد جاپان اور اٹلی میں جو حقیقت پسندانہ آرٹ فلمیں بننی شروع ہوئی تھیں انہوں نے دنیا کو چونکا دیا تھا۔ اٹلی کی جو فلمیں فوری طور پر ذہن میں آتی ہیں ان میں Bitter Rice' ، The Bicycle Thief اورNever take no for an answer Devil a woman خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مگر جس فلم نے ہمیں ہلا کر رکھ دیا تھا وہ ایک اور جاپانی فلم تھی اور اس کا نام راشومون Rashomon تھا' یہ فلم جاپان کے شہرہ آفاق فلم ڈائریکٹر اکیرا کوروساواAkira Korosawa نے شی نوبو ہاشی موٹو Shinobu Hashimuto کے ساتھ مل کر لکھی تھی مگر اس سے پہلے اس فلم کی دو کہانیاں رایوسوکو آکوتا گاوا لکھ چکے تھے۔ راشومون قدیم' شہر کیوتو کا سب سے بڑا دروازہ تھا جس کی چوڑائی 106 فٹ' گہرائی 26 فٹ' اور اونچائی 75 فٹ تھی۔ اس کے بارے میں دونوں کہانیاں 1892ء اور 1927ء کے دوران لکھی گئی تھیں۔ اس کا موضوع ایک نو بیاہتا سوداگر کا قتل اور اس کی بیوی کا ریپ تھا۔ پھر اس واقعے کو مختلف گواہوں کی زبان سے کوئی پانچ بار بیان کیا گیا تھا اور ہر بار یہ واقعہ اپنی تفصیلات میں تبدیل ہو جاتا تھا۔

یہ فلم تو عظیم تھی ہی مگر اس کی کہانی ایسی زبردست تھی کہ اس جیسی کہانی نہ ہم نے پہلے کبھی سنی اور نہ بعد میں سننے کا اتفاق ہوا' کچھ دنوں کے بعد ایک اور جاپانی فلم دیکھنے کا موقع ملا' اس کا نام یوکی واری سوو Yuki Wari So تھا اس کا تعلق دوسری جنگ عظیم سے

تھا اور یہ کہانی ایک ناجائز بچے کے گرد گھومتی تھی ۔اس کہانی نے بھی ہمیں بہت متاثر کیا تھا۔ (پھر کچھ ہی دنوں بعد اردو کے ایک نامور ادیب نے اس کا ایک چربہ اپنے نام سے شائع کردیا تھا)۔

مذکورہ بالا دونوں فلموں نے ہماری توجہ جاپانی فلم اور ادب کی طرف مرکوز کرائی تھی' اس کے بعد مدتوں تک کوئی جاپانی فلم دیکھنے کا تو اتفاق نہ ہوا البتہ ہمارے ایک مرحوم دوست مشتاق قمر نے تانی زاکی Tanizaki کی کتاب The Key کہیں سے حاصل کر کے پڑھ لی تھی۔ یہ 1967ء کا واقعہ ہے جب میں ٹی وی سے متعلق ہوکر راولپنڈی میں مقیم تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ پنڈی میں کتابوں کی دکان سے ہمیں The Key کے ساتھ The Diary of a mad old man مل گئی۔ یہ جاپانی فکشن سے ہمارا پہلا باقاعدہ تعارف تھا۔ یہ دونوں کتابیں اپنے موضوع اور طرزِ احساس کی سطح پر اس قدر بے باک تھیں کہ ہمارے ادیب ان کا تصور بھی نہ کر سکتے تھے ''دی کی'' جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے ایک شادی شدہ جوڑے کی جسمانی زندگی کی تانک جھانک سے متعلق کتاب تھی۔ یہ کتاب انتہائی بے تکلفی سے لکھی گئی تھی مگر اسے کسی طرح بھی شہوانی ادب نہیں کہا جاسکتا تھا۔ دوسری کتاب جسے بوڑھے دیوانے کی ڈائری کا نام دیا جاسکتا ہے۔ ایک ایسے بوڑھے کی کہانی تھی جو اپنی ہی بہو کی عریانی کو دیکھنا چاہتا ہے۔ اس نے ایک جدید طرز کا غسل خانہ بنوایا ہے جہاں وہ نہانے کے لئے آتی ہے اس کا موضوع نابوکاف Nabokov کے ناول لولیتا Lolita سے بہت ملتا جلتا تھا اور لولیتا ہم نے کچھ برس پہلے ہی پڑھی تھی اور اس سے بہت متاثر بھی ہوئے تھے' مگر تانی زاکی کی کتاب ہر لحاظ سے اس سے بہتر تھی' چنانچہ ہمیں جلد ہی احساس ہو گیا کہ جاپانی ادب نہ پڑھنا ایک ایسی محرومی ہے جس کا کوئی بدل موجود نہیں تانی زاکی کے تین اور ناول ہم نے بعد میں پڑھے۔ Some Prefer Nettles جو جدید اور قدیم کے تصادم کے پیش منظر میں لکھا گیا تھا نومی NAOMI تانی زاکی کا پہلا بڑا ناول تھا۔ اس کا تعلق بھی بدلتی اقدار سے تھا اور زمانہ 1920ء کے لگ بھگ کا تھا۔ اس میں اس نے حیات اور دانش کا ایک نادر ملاپ پیش کیا تھا۔ دی ماکیوکا سسٹرز The Makioka sisters اس کا عظیم ترین ناول شمار ہوتا ہے۔ یہ ایک عظیم خاندان کے معدوم ہونے کی کہانی ہے جس کا تعلق اوساکا کے شرفا کے اعلیٰ ترین طبقے سے ہے۔ میں ذاتی طور پر اسے مٹتی ہوئی جاپانی ثقافتی روایت کا نوحہ سمجھتا ہوں۔ تانی زاکی کا ایک اور بڑا کام ''سات جاپانی کہانیاں'' ہے۔ ان روایتی کہانیوں کو

جس خوبصورتی سے تانی زاکی نے بیان کیا ہے شاید کوئی اور نہ کر سکتا۔ اگر اس کا مقابلہ لوہسون Luhsun کی کتاب Old Tales Retold سے کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ تانی زاکی نے قدیم روایتی کہانیوں کو جس خوبصورتی سے زندہ حقیقتیں بنا دیا ہے اس کی ایک جھلک بھی لوہسون کے ہاں موجود نہ تھی۔ ممکن ہے اس کی وجہ سیاسی عوامل بھی ہوں مگر جاپانی ادب کا عمومی رویہ بے لاگ اور بے باک محسوس ہوتا ہے۔

اسی دوران ہم یوکیو مشیما Yukio Mishima کو بھی دریافت کر چکے تھے' اس کی بہت سی کتابیں ہم نے یکے بعد دیگرے پڑھیں' جن میں اس کے چار ناولوں کا سلسلہ بھی شامل تھا' اس میں Spring Snew' Runaway Horses اور The Temple of Dawn کے علاوہ ایک اور ناول بھی تھا جس کا نام مجھے اب یاد نہیں ہے۔ ان کے علاوہ مشیما کے دو ناول Forbiden colours اور Confections of a mark خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں ہم جنسیت اور تشدد کے رجحانات کو موضوع بنایا گیا ہے' اس میں طبقاتی سازشیں اور انفرادی لگاوٹیں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ ان ناولوں کے بنیادی مسائل ہماری نسل کے مسائل سے ملتے جلتے ہیں مگر ہم میں سے کسی نے بھی اس بے رحمی کے ساتھ اپنا قلم استعمال نہیں کیا ان کے بعد اس کا ناول Thirst for life آتا ہے۔ جو ایک معصوم لڑکی کی کہانی ہے جس کا خاوند مر جاتا ہے اور اس کا سسرا سے اپنی جنسی کنیز بنا لیتا ہے۔ پھر اس کے دل میں ایک کسان لڑکے ساجورد کی محبت جاگتی ہے اور یوں اس کا یہ عظیم جذبہ اس کی مکمل تباہی کا سبب بنتا ہے۔ ان ناولوں کے علاوہ اس کی کہانیوں کے دو مجموعے بھی ہم نے پڑھے تھے۔ Death in Summer اور The Sailor who fell from the grace with the sea

ان کہانیوں میں بھی یوکیو مشیما کے موضوعات وہی ہیں جو اس کے ناولوں میں ہیں۔ مشیما نے 1970ء میں ہاراکری (Hara-Kiri) یعنی خنجر سے خودکشی کر کے سب کو حیران کر دیا تھا۔

ایک اور جاپانی مصنف جس کی طرف خاص طور پر توجہ مبذول کی گئی' یاسوناری کاواباٹا (Yasunari Kawa Bata) تھا جسے 1968 میں نوبل انعام کا حقدار قرار دیا گیا۔ اس کی بہت کم کتابیں مارکیٹ میں ملتی تھیں' ہم کو صرف The mastir of go اور Snow country ہی میسر آ سکیں' ہمارے لئے یہ سمجھنا بہت مشکل تھا کہ تانازاکی اور یوکیو مشیما کے

مقابلے میں کاواباٹا کو اس انعام کا حقدار کیوں قرار دیا گیا؟ اس کی ایک ہی وجہ سمجھ میں آتی تھی کہ تانی زاکی اور مشیما ان موضوعات پر بھی بے باکانہ قلم اٹھاتے تھے جنہیں اس زمانے میں عام طور پر ممنوع سمجھا جاتا تھا۔ دوسری وجہ شاید یہ ہو کہ یہ دونوں مصنّفین اس تصادم کا ذکر بڑی تفصیل سے کرتے تھے جو یورپ کے نئے کلچر اور جاپان کے پرانے کلچر میں رونما ہو رہا تھا۔ جاپانی اپنی صنعتی ترقی کے باوجود یورپ کے طرزِ زندگی کو اپنانے میں ہچکچا رہے تھے' ان کی کوشش تھی کہ زندگی کی تمام آسائشیں حاصل کی جائیں مگر ثقافت کا وہی انداز برقرار رکھا جائے جو جاپان میں موجود ہے۔ مثال کے طور پر جاپانی یہ محسوس کرتے تھے کہ یورپ والے نہاتے نہیں ہیں' انہیں ایک زمانے میں ان کے جسم سے بو آیا کرتی تھی' مگر جب جدید غسل خانہ متعارف ہوا تو اس نے جاپان کے کلچر میں ایک بنیادی تبدیلی پیدا کر دی۔

دوسری جنگ عظیم بھی جاپان کے لئے بے حد اہمیت کی حامل تھی۔ اگست 1945ء میں اس کے دو شہروں یعنی ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے گئے تھے' اور ایسا اس وقت کیا گیا تھا جب جاپان پہلے ہی تقریباً شکست کھانے والا تھا۔ اس بم کو گرانا عسکری مجبوری نہیں تھی بلکہ ایک خوفناک تجربے کی مدد سے یہ ثابت کرنا تھا کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ ایک ناقابلِ شکست قوت بن چکا ہے۔ ایٹم بم کے المیے کے بعد جاپانی قوم کا دنیا کے نقشے پر پھر سے ایک باعزت قوم کے طور پر ابھر کر آنا ایک معجزہ تھا مگر اس کے پیچھے جو عوامل کام کر رہے تھے اس کو سمجھنا آسان نہیں تھا۔ جاپانی قوم کئی لحاظ سے دنیا کی ایک منفرد قوم ہے ایک زمانے تک اس نے اپنے آپ کو دنیا سے بالکل الگ تھلگ بھی رکھا تھا تاکہ کوئی اور اس پر اثر انداز نہ ہو سکے۔

ثقافتی طور پر الگ رہنے کی خواہش محض جاپان تک محدود نہیں ہے۔ چین نے بھی صدیوں تک خود کو الگ ہی رکھا تھا۔ اٹلی کا مشہور مصنف البرتو موراویا اپنی ایک کتاب Red book and the Great wall میں کہتا ہے کہ جس طرف دیوارِ چین بنائی گئی ہے اس طرف سے چین پر کبھی کوئی فوجی حملہ نہیں ہوا۔ یہ دیوار ثقافتی حملہ آوروں کو روکنے کے لئے تھی۔ چین کی ثقافت اگرچہ بہت قدیم تھی اور کم از کم چار ہزار برس پرانی تھی اس لئے کسی بھی حملہ آور کے لئے اس کو تبدیل کرنا بہت مشکل تھا۔ جو لوگ بھی اس ثقافت میں داخل ہوتے تھے وہ بالآخر اس کو قبول کر لیتے تھے............مگر بار بار نئی نئی ثقافتوں کا در آنا

(جو کہ ترقی یافتہ بھی نہیں تھیں) چین کے لئے قابلِ قبول نہیں تھا۔ چین کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آج تک چین نے اپنے علاقے کو وسعت دینے کی کوشش بھی شاید اسی وجہ سے نہیں کہ وہ اپنے اقدار نظام کو قائم رکھنا چاہتا ہے۔ جس زمانے میں چین میں شوشلزم متعارف ہوا تھا اس زمانے میں بھی چین نے روسی ثقافت کو قبول نہیں کیا تھا' چین کا انقلاب اپنی بنیادی نوعیت ہی میں روس سے مختلف تھا اور خود ماوزے تنگ اپنی ثقافت پر نہ صرف گہری نظر رکھتے تھے بلکہ انقلابی نظمیں لکھنے کے لئے انہوں نے جو ہیتیں منتخب کی تھیں وہ چین کی روایتی شاعری سے متعلق تھیں۔

جاپان اور چین ایک دوسرے پر اثر انداز تو ہوتے رہے مگر یہ کوشش بھی جاری رہی کہ جاپان چین کے تمام ثقافتی اثرات قبول نہ کرے۔ ایک زمانہ تو جاپان پر ایسا بھی آیا تھا جب اس نے بیرونی دنیا سے تمام رشتے ہی منقطع کر لئے تھے یہ کوئی دو سو برس سے بھی زیادہ کا طویل زمانہ ہے۔ اس کو شوگنوں (Shoguns) سے متعلق کہا جاتا ہے۔ شوگن ایک فوجی خطاب ہے جو تین خاندانوں میں وراثتی طور پر چلتا رہا وہ عملی طور پر جاپان کے سیاہ وسفید کے مالک تھے اور بادشاہ ان کے زمانے میں محض نام کا بادشاہ تھا مگر بادشاہت کو بہر حال برقرار رکھا گیا تھا' شوگونیٹ (Shogunate) نے تیرا (Taira) لیگ پر فتح پا کر حاصل کی تھی۔ پھر 1338 سے 1573 تک ایشی کاگا خاندان کے پاس یہ خطاب دیا، اور ایک بار پھر توکوگا والی یاسو (Tokugawa leyasu) نے اسے ہیتا موتو خاندان کے لئے پھر سے حاصل کر لیا' آخری شوگن توگاکاواکائی کی (Togu Kawa Kieki) تھا جس نے 68-1867 تک حکومت کی۔

جدید جاپان کا آغاز 1868ء سے ہوتا ہے۔ اور یہ ایک انتہائی ڈرامائی آغاز تھا جب اڑھائی سو برس کی راہبانہ علیحدگی کے بعد میجی بادشاہت نے اس رویے کو یک لخت ختم کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ دنیا سے جاپان کے الگ تھلگ ہو جانے کی وجہ یورپی طالع آزماؤں کی جاپان تک رسائی تھی۔ یہ لوگ اپنے لئے نئی نئی مارکیٹیں اور علاقے تلاش کرتے ہوئے جاپان تک بھی جا پہنچے تھے اور جاپان کے کئی ساحلی شہروں میں انہوں نے اپنے مستقل اڈے قائم کر لئے تھے۔ انہوں نے نہ صرف تجارت شروع کر دی تھی بلکہ ان کے مقاصد میں یہ بھی شامل تھا کہ وہاں عیسائیت کا پرچار کیا جائے اور اگر ممکن ہو تو دنیا کے اس دور دراز علاقے کی آبادی کو عیسائی بنا دیا جائے۔ اس کام کے لئے بہت سے عیسائی

پادری بھی جاپان میں داخل ہوتے تھے اور انہوں نے جاپانیوں کو عیسائی بنانا شروع کر دیا تھا۔ ان کا یہ مشن خاصہ کامیاب رہا اور بہت سے جاپانیوں نے عیسائی مذہب کو قبول کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس سے پہلے کہ عیسائیت جاپان کے جزیروں پر اپنا تسلط قائم کرتی شوگن حکمران اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے اس تحریک کو سختی کے ساتھ کچل دیا تھا۔

اس موضوع پر میں نے سب سے پہلے جیمز کلیول (James Clavell) کا ناول شوگن پڑھا تھا۔ اس زمانے میں امریکہ میں شوگن کا سیریل ٹی وی پر چل رہا تھا اور ہمارے ایک عزیز اس کا ناول لے آئے تھے۔ یہ ناول میں نے بہت شوق سے پڑھا۔ اس ناول کا زمانہ اور موضوع تقریباً وہی ہے جو شوسا کو اینڈو کے ناول ''خاموشی'' کا زمانہ ہے۔ کلیول نے ناول میں تفصیل بہت دی ہے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس میں ایک خاص طرح کی کمرشل ازم بھی ہے۔ اسے ایک مقبول عام ناول بنانے کی کوشش بھی صاف نظر آتی ہے، مگر اس کے باوجود اس میں آسانی یہ ہے کہ ایسے ناول ہمارے لئے غیر مانوس نہیں ہیں اور وہ ہماری توقع کے عین مطابق ہوتے ہیں۔

مگر ''خاموشی'' پڑھتے ہوئے مجھے کسی اور ہی فضا کا احساس ہوا۔ یہ ناول میں نے اتفاقی طور پر کتابوں کی ایک دکان سے خریدا تھا۔ اس سے پہلے میں نے اینڈو کا نام تک نہیں سنا تھا۔ یہ ناول میں نے شوگن عہد کے بارے میں ایک اور ناول سمجھ کر حاصل کر لیا تھا مگر جب میں نے اسے پڑھنا شروع کیا، تو یہ مجھے نہ صرف تاریخی ناولوں میں بے حد اہمیت کا ناول محسوس ہوا بلکہ مجھے یہ اندازہ بھی ہوا کہ جاپانی اس صورتِ حال کو کس طرح لیتے ہیں جس کے بارے میں کلیول نے کامیاب ناول اور بے حد کامیاب ٹیلیویژن سیریل لکھا ہے۔

میں خاموشی کی کہانی کو دہراؤں گا نہیں کیونکہ وہ تو آپ پڑھ ہی لیں گے ممکن ہے شروع شروع میں یہ ناول آپ کو بے حد سست رفتار محسوس ہو۔ زیادہ تر جاپانی ناول جو ہمارے مطالعے میں آئے ہیں اس طرح آہستگی سے شروع ہوتے ہیں اور پھر بہت سست رفتاری سے آگے بڑھتے ہیں۔ ناول نگار یہ کوشش کم ہی کرتا ہے کہ وہ قاری کو جگانے کی غیر معمولی سعی کرے۔ یہاں مجھے سوسیکی (Soseki) کا ناول کوکورو (Kokoro) یاد آ رہا ہے۔ اس میں سوسیکی یہ بتانا چاہتا تھا کہ انسان اپنی بنیادی تنہائی سے کس طرح فرار حاصل

کرتا ہے۔ مگر جس طرح اس نے یہ ناول لکھا وہ ایک طویل نظم یا بسا اوقات انشائیے کی طرح محسوس ہوتا تھا۔

جتنے دن میں ایندو کا ناول خاموشی پڑھتا رہا' مجھ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری رہی' دن بھر کے کام کاج کرتے ہوئے بھی یہ کیفیت مجھ پر چھائی رہتی تھی اور جو لمحہ بھی مجھے ذرا سی مہلت کا میسر آتا تھا اس میں یہ کیفیت خاص تیزی کے ساتھ میرے شعور کو گھیر لیتی تھی۔ زندہ لکھنے والوں میں میری یہ کیفیت مارکیز کے ناول One Hundred years of Solitude کے سلسلے میں ہوئی تھی یا پھر اس ناول نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

اس ناول کا بنیادی مسئلہ بہت پیچیدہ مگر انسانی سائیکی کے اندر دور تک اترا ہوا ہے' سوال یہ ہے کہ کیا مذہبی اقدار اس اہمیت کی حامل ہوتی ہیں کہ ان کے لئے ہر طرح کے مصائب ہنسی خوشی برداشت کر لئے جائیں؟ جبکہ یہ صورت بھی موجود ہو کہ مذہب سے انکار کر کے زندگی آسانی کے ساتھ گذر سکتی ہو؟ یہ ایک نہایت ہی مشکل سوال ہے اور مختلف لوگوں نے اس کے مختلف جواب دیئے ہیں۔ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ مذہب کو ہر قیمت پر قبول کرنا ہے ان کو ہم بہت اعلیٰ اور قابلِ تقلید شخصیات سمجھتے ہیں۔ جن لوگوں نے ان حالات میں ہتھیار ڈال دیئے ہیں وہ ہمارے لئے بہت پست انسان ہیں۔ مگر وجودی صورتِ حال میں جواب اس قدر سیدھا اور آسان نہیں رہتا' یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ مذہب سے انکار کر کے زندگی بچالی جائے اور باقی عمر اسی تاسف میں گذار دی جائے۔ یہ احساس گناہ جو مذہب یا اتھارٹی کے انکار سے پیدا ہوتا ہے بعض نفسیات دانوں کے نزدیک مذہب کی بنیاد بھی ہے۔ کیا مذہب سے انکار ہمیشہ ہی ایک منافقانہ رویہ ہوتا ہے۔؟ ایسا بھی تو ہوسکتا ہے کہ اس انکار کے ساتھ حقیقت کا ایک روپ سامنے آجائے جسے جاننے کی ہم نے کوشش ہی نہ کی ہو؟ پھر یہ بھی دیکھنا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کس صورتِ حال میں ہوا ہے۔ دونوں جوان پادری ایک ایسے پادری کا حال معلوم کرنے کے لئے چوری چھپے شوگن کے زیرِ اثر جاپان میں داخل ہوئے کہ وہ یہ جان سکیں کہ ان کے ایک عظیم مذہبی استاد اور پیشوا نے عیسائیت سے کس طرح انکار کیا اور اب وہ کیسی زندگی گذار رہا ہے؟

یہ ایک انفعالی کشمکش اور مفروروں جیسی زندگی ہے جو ان دونو جوان پادریوں کو گذارنی پڑتی ہے۔ اس جدوجہد میں ایک مر جاتا ہے مگر دوسرا کسی نہ کسی طرح اپنے منطقی انجام کو پہنچتا ہے۔ میں نے اسے منطقی انجام اس لئے کہا کہ ناول کا بہاؤ اس طرف ہے۔

اس ناول کو لکھتے وقت شوسا کو اینڈو نے ایک ایک جملہ بڑے ذوق وشوق سے لکھا ہے۔ کبھی کبھی تو یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ جیسے وہ اس سارے واقعے کا چشم دید گواہ تھا۔ اس کی گرفت انسانی سائیکی پر ایسی زبردست ہے کہ کہیں بھی ایک لمحے کے لئے ڈھیلی نہیں پڑتی۔

میں نے اس کے دو اور ناول والکینو (Volcano) اور ون آئی وسل (When I Whistle) بھی پڑھے ہیں' مگر ان میں اینڈو ان بلندیوں تک پرواز نہیں کرتا۔ ''خاموشی'' میں تو پہلے جملے ہی سے ساری فضا ایک خاص طرح کی پراسراریت کی حامل ہو جاتی ہے۔ اس کے ایک اور ناول سامورائی (The Samurai) ایک خصوصی انعام کا حقدار بھی قرار پایا ہے۔ اس کا موضوع بھی وہی مذہبی کشمکش ہے مگر اس کا تعلق پرتگالیوں کے بجائے میکسیکو' سپین اور روم سے ہے۔ یہ لوگ بھی سمورائی طبقے کے ساتھ مل کر جاپان کے ساتھ تجارتی مراعات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اینڈو کا اس زمانے سے کوئی قلبی تعلق ہے۔ جس زمانے میں عیسائیت اور یورپ کی یہ کشمکش جاری تھی۔

''خاموشی'' کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ چونکہ اس کا مصنف جاپانی کیتھولک ہے۔ اس لئے اس کی ہمدردیاں عیسائیت کے ساتھ بہت گہری ہیں۔ میں اس سے مکمل طور پر انکار تو نہیں کر سکتا مگر اتنا ضرور عرض کر سکتا ہوں کہ مجھے اس ہمدردی کا اس شدت کے ساتھ احساس نہیں ہوا جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے۔ بلکہ مجھے تو بعض اوقات یہ بھی محسوس ہوا ہے کہ یہ عیسائیت کے بعض عقائد کے خلاف احتجاج بھی ہے شاید اس میں یہ کوشش بھی کہیں کہیں نظر آتی ہے کہ جاپان کو اپنی ثقافتی شناخت برقرار رکھنی چاہئے۔

جاپان میں مذہب کی وہ اہمیت یقیناً نہیں ہے جو ہمارے ہاں موجود ہے۔ ہمارا مذہب تو ہمارے لئے ایک مکمل ضابطہ حیات ہے مگر جاپانیوں کے لئے مذہبی تبدیلی ایسی اہمیت کی حامل نہیں ہے۔ اگر عیسائیت کے ساتھ تجارتی مقاصد متعلق نہ ہوتے تو ممکن ہے جاپان کے شوگن اس کے بارے میں اتنے شدید ردِعمل کا اظہار نہ کرتے۔

1868ء کا سال جاپان کے لئے بے حد اہم تھا کیونکہ اس برس نہ صرف بادشاہت بروئے کار آئی تھی بلکہ بادشاہ نے یہ حلف بھی اٹھایا تھا کہ وہ ہر قیمت پر بیرونی دنیا سے سائنس اور ٹیکنالوجی حاصل کرے گا اور پھر جاپان نے اس صدی کا شاید سب سے بڑا صنعتی معجزہ کر دکھایا۔ اس نے سو برس سے کچھ ہی زیادہ عرصے میں وہ سب کچھ حاصل کر